Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 5 (July-Sep 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

The Art Asmā al-Rijāl: An Analytical Study

فن اسمأالرجال:ایک تجزیاتی مطالعہ

Muhammad Azeem Ashiq

Principal: Iqra Huffaz Degree College,4/A Shahjamal Lahore, azeemtar@gmail.com

Dr.Abrar Mohyuddin

Professor, Department of Islamic Studies, National College of Business Administration &Economics Lahore, Sub Campus Bahawalpur, abrar.mohiudin@iub.edu.pk

Kalsoom Bibi

PH.D Scholar Islamic Studies, National College of Business Administration &Economics Lahore, Sub Campus Bahawalpur, mushtaq@gmail.com

Abstract

Asmaa al-Rijaal is the study of art of determining the authenticity of those persons reporting the traditions, biographical literature of Hadith narrators. It was a specific subject to know the names and biographies of narrators of Hadiths in Islam. Before discussing the knowledge of Asmaa.ur.rijjal, it seems appropriate to discuss what Authority is. Authority is the study of knowing the connection of initial narrators and reporters of the tradition of Hadith to Holy Prophet (PBUH). Who are narrators, what their level of knowledge is and what their mental status etc. is. It is important to note here when was started the collection of biographies of narrators of Hadiths ? What was the criterion to reject or accept the facts? All these questions are the subject of Asmaa.ur. rijjal. The rules and regulations to judge the credibility of a narrator of hadith are included in the study of knowledge of Jarha and Tadeel. Till the period of Followers of dear prophet (PBUH) it was not necessary to write down the sayings of holy prophet because the memory of the followers of holy prophet was so brilliant. But with the passage of time it seemed that some exaggeration was expected in the Sayings of holy prophet and people began to mold the holy words of holy prophet (PBUH) for their own credit. Then this study evolved and developed and became a proper branch of knowledge. Though, initially it was a very difficult task to collect Hadiths and then judging the credibility of their narrators. Then some strict rules were set to study the name and biographies of narrators of Hadiths.

Key Words: Asmaa al-rijaal, Hadith narrators, Biographical literature, Authenticity, Islamic tradition, Authority in Hadith.

فن اسمأالرجال علم حدیث کا ایک خاص شعبہ ہے جس میں راویان حدیث کے ناموں ان کے حالاتِ زندگی (سوانح) پر بحث کی جاتی ہے۔ کیوں کہ علم اسناد اور فن اسمأالرجال کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے اور فن اسمأالرجال علم اسناد کے حوالے سے معاون علم یا شاخ کا درجہ رکھتا ہے اس لیے فن اسمأالرجال یا علم الرجال پر بات کرنے سے پہلے سند اور علم اسناد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علم اسناد:-

اسناد سے مراد کسی حدیث کی سند بیان کرنا۔ جب کہ سند سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ جو حدیث کے ابتدائی راوی یا جامع لے کر رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے۔ راوی کون لوگ ہیں، ان کا علمی درجہ کیا تھا، ان کی ذہنی اور فکری صلاحیت کیا تھی وغیرہ۔ علم اسناد اس وقت تک صحیح طور پر سمجھ نہیں آسکتا جب تک علم رجال یا اسمأالرجال کی تفصیلات سامنے نہ ہوں۔ علم حدیث میں یہ مشکل ترین علوم وفنون میں شامل ہے۔ علم درایت میں علل کا موضوع سب سے مشکل ہے اور علم روایت میں رجال کا موضوع سب سے مشکل ہے۔ ابھی یہ گفتگو باقی ہے کی راویوں

CC BY

کے حالات جمع کرنے کا کام کب سے شروع ہوا، کس طرح یہ حالات جمع کئے گئے، اور کس راوی کے قابل قبول یا نا قابل قبول یا ضابط یا عدم ضابط ہونے کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کو علم اسمأالرجال یا علم رجال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسمأالرجال:-

رجال سے متعلق دو پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ ایک معاملہ خود رجال کے بارے میں معلومات، رجال کی شخصیت اور کردار کے بارے میں تفصیلات سے متعلق ہے۔ رجال کا دوسرا پہلو، کسی راوی حدیث کے قابل قبول یا نا قابل قبول ہونے کا فیصلہ، اس کے اصول اور قواعد اور ان اصول و قواعد کی روشنی میں بالآخر کسی راوی کے قابل قبول یا نا قابل قبول ہونے کا حتمی فیصلہ جس فن کی روشنی میں کیا جاتا ہے، اس فن کو علم جرح و تعدیل کہتے ہیں۔

اسمأالرجال کی تعریف کرتے ہوئے اشرف[1] لکھتے ہیں۔

> **اسمأالرجال حدیث کی جانچ پرکھ اور اسناد کے لیے راویانِ حدیث کی سوانح عمریوں اور خصائص کا علم ہے۔ اس میں روای کے نام ولقب، قوم ووطن، ولادت، وفات، علم و فضل، دیانت و تقویٰ، حفظ، ذکاوت، صحت و مرض وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ اس علم کے ذریعے ائمہ احادیث نے بہت سے نکات کو حل کیا ہے۔**

ابتدأ میں جب صحابہ کرام کا زمانہ تھا تو نہ روایت کی ان تفصیلی قواعد و ضوابط کی ضرورت تھی نہ اسناد کی ضرورت تھی۔ صحابہ کرام نے جس اہتمام اور جس محبت سے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات، اقوال و افعال اور آپ کے حالات کو جمع کیا، یاد رکھا اور محفوظ کیا، وہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ خود صحابہ کرام ایک دوسرے سے کسب فیض کیا کرتے تھے اور معلومات جمع کیا کرتے تھے۔

مشہور صحابیؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ، جن کے آخری ایام دمشق میں گزارے تھے، ان کو پتہ چلا کہ ایک اور صحابیؓ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی، جو رسول اللہ ﷺ کے خاص خدام میں شامل رہے، ان کے پاس کوئی خاص حدیث ہے، جو پہلے سے حضرت عبادہ بن صامت کے پاس پہنچ چکی تھی، لیکن وہ اس کی تصدیق کرنا چاہتے تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ایک قافلے کے ساتھ کئی ماہ کی مسافت طے کر کے حضرت عقبہ الجہنی کے پاس پہنچے۔ دروازہ کھٹکٹایا، وہ باہر نکلے، وہیں کھڑے کھڑے سلام دعا کی اور پوچھا کہ اس حدیث کے اصل الفاظ کیا ہیں؟ انہوں نے حدیث کے الفاظ سنائے، جو ان کی یاداشت کے مطابق تھے تو انہوں نے کہا کہ الحمد اللہ مجھ تک جس ذریعے سے یہ حدیث پہنچی تھی وہ بالکل درست ہے، اب میں جارہا ہوں اور یہ کہہ کہ اجازت لی اور رخصت ہو گئے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود صحابہ کرام نے کس محنت سے اور کس محبت اور احترام سے احادیث رسول کے بارے میں معلومات جمع کرنی شروع کیں۔

فن اسمأالرجال کی ضرورت واہمیت:-

خارجی نقد حدیث کی اساس علم روایت پر اور علم روایت کی اساس سند پر اور سند کی اساس رجال پر ہے۔ گویا رجال وہ بنیادی مضمون ہے جس کی بنیاد پر اسناد کا تعین ہوتا ہے اور اسناد کی بنیاد پر کسی حدیث کی خارجی نقد پر بات ہوتی ہے۔ اور خارجی نقد پر بات کرنے کے بعد گویا تحقیق کا ایک پہلو مکمل ہو جاتا ہے اور یہ طے ہو جاتا ہے کہ خارجی وسائل اور نقد کے اعتبار سے اس حدیث کا کیا درجہ ہے۔ یہ ضرورت صحابہ کرام کے دور کے بعد پیش آئی جب صحابہ کرام دنیا سے اٹھ گئے اور بہت تھوڑی تعداد میں رہ گئے۔ کبار تابعین کا زمانہ بھی تقریباً ختم ہو گیا اور صغار تابعین کا زمانہ آگیا۔ کبار تابعین کے زمانے تک بھی یہ امکان نہیں تھا کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے کوئی کچی بات منسوب کر دے، غلط بات منسوب کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس کا امکان بہر حال موجود رہتا تھا کہ یاداشت میں کوئی کمزوری آجائے، کوئی دو احادیث کا مضمون ایک دوسرے میں مل جائے یا ایک حدیث کا مضمون دو الگ الگ مضامین کے طور پر بیان ہو جائے۔ اس طرح کا امکان موجود تھا۔ صحابہ کرام کی حد تک تو اس امکان کی بھی گنجائش نہیں تھی اس لئے کے ان کے ہاں حدیث رسول کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کا بہت اہتمام تھا اس کا اندازہ واقعات سے ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے جب کوئی پوچھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا تو وہ برا ہر است جواب نہیں دیا کرتے تھے، بلکہ اپنی فہم اور دانست کو بیان کر دیا کرتے تھے، اور جواباً یہ بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ **من کذب علی متعمداً فا لیتبوا مقعدہ من النار**، جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں کرلے۔ اس لئے وہ حتی الامکان حدیث بیان کرنے سے ہی احتراز کیا کرتے تھے، کہ اس میں اگر ایک فی ہزار بھی غلطی کا امکان ہو تو اس وعید کے مستحق نہ بن جائیں۔ ایک مرتبہ ضرورت پڑ گئی اور وہ حدیث کے الفاظ بیان کرنے لگے، تو پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ **او قریباً من ذالک او شبیھاً من ذالک**۔ تقریباً ایسی بات فرمائی تھی، اس سے ملتی جلتی بات فرمائی تھی یا اس سے مشابہ بات فرمائی تھی اور پھر بہت ہی پریشانی کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ میری یاداشت میں کوئی کمزوری رہ گئی ہو۔ غرض انتہائی غیر معمولی اہتمام کے ساتھ انہوں نے یہ چیز بیان فرمائی۔

CC BY

کبار تابعین کا بھی یہی رویہ تھا۔ لیکن جب صغار تابعین کا دور آیا۔ اور یہ زمانہ پہلی صدی ہجری کا نصف دوم ہے، اس وقت اس کا احساس ہونے لگا کہ بعض لوگ احادیث بیان کرنے میں اخلاق اور تقویٰ کا وہ معیار برقرار نہیں رکھ پا رہے ہیں جو معیار صحابہ کرام نے رکھا تھا۔ اس وقت اس بات کی ضرورت پیش آئی کی تابعین سے یہ پوچھا جائے کہ آپ نے کس صحابیؓ سے یہ روایت سنی۔ تابعین میں بھی جو کبار تابعین تھے جن کا علم اور تقویٰ غیر معمولی طور پر ضرب المثل تھا ان سے یہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ لیکن صغار تابعین سے، جو صحابہ کرام اور حضور ﷺ کے زمانہ سے دور ہونے کی وجہ سے جن کے بارے میں یہ امکان موجود تھا کہ شاید ان کے ہاں مطلوبہ احتیاط برقرار نہ رہے۔ ان سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ آپ نے یہ حدیث کس صحابیؓ سے یا کس تابعی سے سنی ہے۔

فن اسمأالرجال صرف مسلمانوں ہی کا خاصہ ہے۔ اس فن کی اہمیت کے حوالے سے ظفر[۲] رقمطراز ہیں۔

> **مسلمانوں میں سلسلۂ نسب اور اسمأالرجال کا ہونا ایک امتیاز کی بات ہے۔ اور یہ شرف حدیث نبوی ﷺ کی عظمت کی بنا پر حاصل ہوا۔ اس علم میں یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ جو حضرات سلسلۂ روایت حدیث میں ہیں وہ کون تھے؟ کہاں سے تھے؟ کیسے تھے؟ ان کا سلسلۂ نسب کیا تھا؟ ان کی سمجھ کیسی تھی؟ ان کے مشاغل کیا تھے۔ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس تھے؟ کس تخیل اور کس مشرب کے تھے؟ ان کا سن پیدائش ووفات کیا تھا؟ کہاں رہے؟ کن سے علم حاصل کیا؟ ان کے شاگرد کون تھے؟ تقویٰ اور پرہیز گاری میں ان کا مقام کیا تھا؟ تاکہ ان کے ذریعے سے حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جاسکے۔ ان اجزائی باتوں کا دریابت کرنا اور ان کا لگانا مشکل کام تھا لیکن محدثین نے اپنی عمریں اس کام کے لیے خرچ کیں اور رحلات کے ذریعے ایک ایک شہر کے راویوں کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعے سے اسمأالرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہوا جس کی ایجاد و تشکیل کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔**

سند کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

حضرت سلیمان ثوریؒ جن کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پہلے حدیث کی سند پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ جب حدیث کے راویوں نے غلط بیانیوں سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے ان کے لئے تاریخ کا وسیلہ اور تاریخ کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تاریخ کے ہتھیار سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی صاحب کوئی حدیث بیان کرتے تھے۔ وہ زمانہ تابعین یا تبع تابعینؒ کا تھا۔ تو ان سے پوچھا جاتا تھا کہ انہوں نے یہ حدیث کس صحابیؓ سے سنی۔ صحابیؓ کا نام لینے کے بعد وہ یہ تعین کرتے تھے کہ ان صحابیؓ کی وفات کس سن میں ہوئی، وہ صحابیؓ کس علاقہ میں قیام پذیر تھے۔ اور اس طرح سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ بیان کرنے والے نے حدیث صحیح بیان کی ہے یا اس میں کوئی جھول رہ گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک صاحب نے، جن کا تعلق تبع تابعینؒ سے تھا، انہوں نے کوئی حدیث بیان کی۔ سننے والوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ فلاں تابعی سے سنی ہے۔ پوچھا گیا کہ کس سن میں سنی ہے تو انہوں نے کہا کہ سن ۱۰۸ھ میں سنی ہے۔ پوچھا گیا کہ سن ۱۰۸ھ میں کہاں سنی تھی تو انہوں نے کہا کہ آرمینیا میں سنی تھی۔ سوال ہوا کہ آرمینیا میں وہ کیا کرنے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ جہاد کرنے گئے تھے۔ پوچھنے والے بزرگ نے کہا کہ تم غلط بیان کر رہے ہو، جھوٹ بول رہے ہو۔ ان تابعی کا انتقال ۱۰۴ھ میں ہو گیا تھا اور ۱۰۸ھ میں وہ زندہ نہیں تھے۔ اور وہ جہاد کرنے کے لئے آرمینیا نہیں بلکہ روم تشریف لے گئے تھے۔ اب یہ معلومات کہ ان تابعی کا انتقال ۱۰۴ھ میں ہوا تھا اور انہوں نے جس جہاد میں حصہ لیا تھا وہ روم کی جہادی مہم تھی، آرمینیا کی نہیں تھی اور ان دونوں کے درمیان تقریباً دو ڈھائی ہزار میل کا فرق ہے۔ اس سوال و جواب بلکہ جرح سے یہ پتہ چلا کہ ان صاحب کو بیان کرنے میں یا تو یادداشت میں التباس ہو رہا ہے یا کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے، یا ممکن ہے انہوں نے دانستہ غلط بیانی کی ہو، اس جھول کی وجہ سے ان کی یہ روایت تبع تابعینؒ نے قبول نہیں کی۔

اس طرح سے جب یہ واقعات کثرت سے پیش آنے شروع ہوئے اور اس کا امکان وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جا رہا تھا، تو پھر یہ معلومات جمع کرنے کا عمل شروع ہوا کہ صحابہ کرام کہاں کہاں تشریف لے گئے تھے، کس کس علاقہ میں مقیم رہے، انہوں نے وہاں جا کر کیا کیا اور کس علاقہ میں کس طرح کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ مثلاً جہاد کا معاملہ تھا۔ اب یہ بات کہ کسی خاص تابعی نے آرمینیا کے جہاد میں حصہ لیا یا روم کے جہاد میں حصہ لیا، اس کا براہ راست علم حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن چونکہ روایت میں اس کو حوالہ دیا گیا کہ آرمینیا کے جہاد کے دوران ان سے یہ بات سنی، جب کہ انہوں نے آرمینیا میں جہاد نہیں کیا تھا۔ اس سے یہ معاملہ واضح ہو گیا، کہ کم سے کم اس تابعی کی حد تک یہ تیقن ہو گیا کہ ان کے ذریعے سے یہ روایت نہیں آئی، کسی اور کے ذریعے سے آئی ہو گی۔ فن اسمأالرجال کے حوالے سے غازی[۳] ایک خاص نکتہ بیان کرتے ہیں۔

CC BY

راویوں کے حالات جمع کرنے کو علم رجال کہا جاتا ہے۔ علم رجال سے یہ نہ سمجھئے گا اس سے صرف مراد مرد ہیں۔ یہ صرف ایک اصطلاح ہے۔ علم رجال میں خواتین کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔ علم رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں خواتین راویوں کے تذکرے نہ ہوں۔ اس لئے رجال کے لفظ سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ اس میں ان تمام راویوں اور روایات کا تذکرہ ہوتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی روایت کی ہے۔ جیسے جیسے علم حدیث، روایات اور رجال کا دائرہ بڑھتا گیا، علم حدیث میں اختصاص (specialization) بھی پیدا ہوتا گیا۔

اس طرح سے علم حدیث میں ایک نئے شعبہ کا آغاز ہوا جس کو علم اسناد بھی کہتے ہیں اور علم اسناد کی بنیاد چونکہ سند پر ہے اور سند میں راویوں کا تذکرہ ہوتا ہے، علم حدیث کے شعبوں میں ائمہ کو مہارت اور کمال کا حال مختلف رہا، کچھ لوگ وہ تھے جو رجال کے فن میں زیادہ ماہر تھے۔ پھر رجال سے متعلقہ علوم وفنون جن میں جرح وتعدیل بھی ہے، کچھ لوگ اس کے ماہر ہوئے، اور کچھ لوگ علم درایت، کہ حدیث کی داخلی شہادت سے اندازہ لگائیں کہ حدیث کی داخلی شہادت سے اس کے کمزور ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے یا نہیں چلتا۔ کچھ حضرات تھے جو خارجی نقد وروایت اور رجال میں زیادہ مشہور تھے، کچھ حضرات تھے جو داخلی نقد اور درایت میں زیادہ مشہور تھے۔ یعنی حدیث کی داخلی شہادت اور داخلی مطالعہ نقد میں کچھ حضرات تھے جو دونوں میں زیادہ مشہور تھے۔ جو دونوں میں زیادہ مشہور تھے ان میں حضرت امام مالکؒ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ جو حضرات داخلی نقد ودرایت میں زیادہ مشہور تھے ان میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا نام زیادہ مشہور ہے۔ جو نقل روایت میں مشہور ہیں ان میں محدثین کی بڑی تعداد شامل ہے۔ لیکن محدثین میں ایسے حضرات بھی شامل تھے مثلاً امام بخاری، امام ترمذی، جو دونوں میدانوں کے شہسوار تھے۔ جو روایت اور رجال کے بھی ماہر تھے اور درایت کے بھی ماہر تھے۔ حدیث کی داخلی شہادت سے بھی ان کو بہت کچھ اندازہ ہو جایا کرتا تھا۔

فن اسماالرجال کی ضرورت کیوں پیش آئی:-

رجال اور سند کی ضرورت پیش آنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا تعلق ہے صحابہ کرام اس کی روایت باللفظ کیا کرتے تھے۔ جو بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی اس کو اسی طرح یاد فرماتے تھے۔ اسی طرح لکھتے تھے اور آپس میں اپنے تحریری ذخائر کا ایک دوسرے سے تبادلہ اور تقابل کرتے رہتے تھے اور اپنی یاداشتوں کو ایک دوسرے سے چیک بھی کروایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام کی یاداشت تک تو یہ التزام موجود تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روایت باللفظ ہو۔ لیکن جو معاملات رسول اللہ ﷺ کے عمل یا سنت تقریری سے تعلق رکھتے تھے، کہ حضور ﷺ کے سامنے کوئی کام ہوا اور آپ نے اس کی اجازت دے دی یا منع نہیں فرمایا، اس کی روایت ہر صحابیؓ اپنے الفاظ میں بیان کیا کرتے تھے۔ گویا ایک واقعہ کی تعبیریں مختلف صحابہ کرام نے مختلف انداز سے کیں۔ جس نے جس طرح سے دیکھا اور سمجھا اور جس پہلو کو زیادہ اہم سمجھا اس پہلو کو بیان فرما دیا۔ جب یہ چیز تابعین تک پہنچی تو انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا کہ جس صحابیؓ نے جو چیز الفاظ میں بیان کی اس کو انہی الفاظ میں آگے تک پہنچایا جائے اور اس کے الفاظ میں ردوبدل نہ کی جائے۔ روایت باللفظ کا یہ سلسلہ اہتمام کے ساتھ جاری رہا۔ اس میں اس حدیث نبوی ﷺ سے بھی صحابہ کرام کو مدد ملی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ نضر اللہ امرأ، اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے، سمیع مقا لتی، جس نے میری کوئی بات سنی، فاد ا ھا کما سمعھا، اور جیسا اس کو سنا تھا ویسے ہی اس کو روایت کر دیا۔ اس سے روایت باللفظ کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ اگر جیسا سنا تھا ویسا ہی ادا کرو گے تو تروتازگی کی یہ بشارت ملے گی اور اگر اس کے الفاظ یا مفہوم میں تبدیلی ہوگئی تو بظاہر مفہوم یہ نکلتا ہے کہ بشارت اس طرح سے حاصل نہیں ہو گی۔

کیا روایت بالمعنیٰ جائز ہے؟

کچھ وقت گزرنے کے بعد محدثین کے درمیان یہ سوال پیدا ہوا کہ روایت باللفظ سے ہٹ کر اگر روایت بالمعنی کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟۔ لیکن روایت بالمعنی کا سوال تدوین کے سلسلہ میں نہیں پیدا ہوا تھا۔ تدوین کی حد تک بخاری، مسلم، ترمذی اور باقی سب کتابوں میں جب روایتیں جمع کی گئیں تو جس طرح سے آئی تھیں اسی طرح سے لکھی گئیں۔ روایت باللفظ ہی کے انداز میں جمع ہوئیں۔ سوال وہاں پیدا ہوا جہاں کسی مجلس درس یا مجلس وعظ یا تبلیغ دعوت کے کسی عمل میں کوئی حدیث بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کیا وہاں بھی روایت باللفظ کی پابندی ضروری ہے یا روایت بالمعنی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ سوال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اہمیت اختیار کرنے لگا اور ہم ان تمام محدثین اور علماء کرام کے شکر گزار ہیں جنہوں نے یہ سوال اٹھایا اور اس معاملہ میں یہ گنجائش پیدا کی۔ اگر وہ حضرات روایت بالمعنی کی یہ گنجائش پیدا نہ کرتے تو آج دنیائے اسلام کے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے لئے حدیث رسول کا حوالہ دینا ناممکن ہو جاتا۔ اس لئے کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو حدیث کے حافظ ہیں اور ایک ایک لفظ زیر زبر کی پابندی کے ساتھ اور ایک شوشے کی پابندی کے ساتھ اسی طرح بیان کر سکتے ہیں۔ ایسا ہوتا تو پھر لوگ حدیث کا حوالہ دینا چھوڑ دیتے اور ہمارے لئے اس سے استفادہ کرنا عملاً مشکل ہو جاتا بلکہ ناممکن ہو جاتا۔ اس لئے محدثین نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا روایت بالمعنی جائز ہے؟ کچھ لوگوں کا پھر بھی یہ خیال رہا کہ روایت بالمعنی کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ بیان کرنا چاہیں وہ پہلے یاد کریں پھر اس کے بعد بیان کریں۔ لیکن علماء کرام کی اکثریت نے بعد کے سالوں میں تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے سالوں میں کچھ شرائط کے ساتھ روایت بالمعنی کی اجازت دے دی۔

امام مالکؒ کا ارشاد یہ ہے کہ احادیث مرفوعہ میں تو روایت بالمعنی جائز نہیں ہے۔ یعنی کوئی چیز جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے اس میں تو روایت بالمعنی جائز نہیں ہے اور وہ روایت باللفظ ہی ہونی چاہیے۔ لیکن جو بقیہ احادیث ہیں جن میں صحابہ کرام میں سے کسی کی رائے یا کسی کا مشاہدہ یا کسی کا فتویٰ یا کسی کی روایت بیان ہوئی ہے وہ روایت بالمعنی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے بارے میں یہ وعید نہیں آئی ہے کہ من کذب علی متعمد فا لیتبو ا مقعدہ من النار۔ یہ حدیث صرف حضور ﷺ کے ارشادات کے بارے میں آئی ہے۔ یہ امام مالکؒ کی رائے ہے جو بہت وزنی معلوم ہوتی ہے۔

علم روایت میں، جس میں روایت باللفظ اصل ہے اور روایت بالمعنی کی بعد میں اجازت دی گئی ہے، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود متعدد مواقع پر اپنے ارشادات کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا۔ ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلغوا عنی و لو آیتہ کہ اگر میری طرف سے ایک آیت بھی تم تک پہنچی ہے تو اس کو دوسروں تک پہنچاو۔ اب جس شخص کے علم میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات یا سنت کا علم آیا ہے وہ مکلّف ہے کہ جہاں تک اس کے بس میں ہو اور جہاں تک اس کے لئے آسان ہو اسے دوسروں تک پہنچائے۔ اسی طرح خفیہ حجتہ الوداع دینے کے بعد آپ نے فرمایا کہ الا ھَلْ بلغتُ، کیا میں نے پہنچا دیا، لوگوں نے جواب دیا 'بلی' ہاں آپ نے پہنچا دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلیلغ الشا ھد الغا ئب، کہ جو موجود ہے وہ یہ بات ان تک پہنچادے جو موجود نہیں ہیں۔ اس لئے بہت بڑی تعداد میں ان صحابہ کرام نے خطبہ حجتہ الوداع کی روایت کی اور انہیں ان صحابہ تک پہنچایا جو وہاں موجود نہیں تھے اور ان تابعین تک جو بعد میں آئے کیوں کہ فلیلغ الشاھد الغا ئب کا اطلاق علماء لغت کے نزدیک ہر اس شخص پر ہوتا ہے جس تک یہ حدیث پہنچے۔ اس لئے جس مجلس میں یہ حدیث بیان کی جائے تو جو شخص وہاں موجود ہو گا وہ شاہد ہو گا اور جو وہاں موجود نہیں ہو گا وہ غائب ہو گا۔ تو موجود رہنے والا موجود نہ رہنے والے تک پہنچائے۔ اور جب کوئی شخص پہنچائے گا تو وہ ایک طرح سے راوی حدیث ہو گا۔ اس کا کردار اور اس کی شخصیت زیر بحث آئیں گے۔ جب زیر بحث آئیں گے تو علم رجال وجود میں آئے گا۔ اس لئے ان احادیث کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ راویوں پر رواۃ کے بارے میں بحث ہو۔ چونکہ رواۃ اور راویان حدیث اس ارشاد نبوی ﷺ پر عمل درآمد کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر راویان حدیث نہ ہوتے تو آج ہم ان ارشادات گرامی سے محروم رہتے اور ان پر عمل نہ کر سکتے۔ راویان حدیث ہی کے وسیلہ سے اور انہی کے واسطہ سے یہ ہدایت اور رہنمائی ہم تک پہنچی ہے۔ اس لئے وہ اس عمل کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ اور اس عمل کا حصہ ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت کا مطالعہ بھی علم حدیث ہی کا مطالعہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام مسلمان خواتین و حضرات جو روایت حدیث، نقل حدیث، کتابت حدیث، شرح حدیث اور درس حدیث میں مصروف ہیں وہ سب کے سب اس عمل کا حصہ ہیں۔ کہ فلیلغ الشاھدالغائب پر وہ سب عمل کر رہے ہیں اور فلیلغ الشاھد الغا ئب کے حکم پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ راویان حدیث اور علم حدیث کا بھی حصہ بنتے جا رہے ہیں۔

چناں چہ اس طرح سے ایک ایک کر کے یہ نام سامنے آتے رہے اور یہ تحقیق شروع ہوتی گئی۔ سب سے پہلے تحقیق اور راویان حدیث کی چھان بین کا یہ عمل حضرت حسن بصریؒ نے شروع کیا۔ حضرت حسن بصریؒ اور محمد بن سیرین تابعین میں بڑا نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ تین تابعین کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ سیّد التابعین ہیں۔ ایک سعید المسیب، جو حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد خاص اور داماد تھے اور طویل عرصہ ان کے ساتھ رہے۔ دوسرے حضرت حسن بصریؒ جن کے بارے میں کہا گیا کہ وہ سید التابعین ہیں۔ اور تیسرے حضرت محمد بن سیرین جو تابعین میں بڑا نمایاں مقام رکھتے تھے۔

علم طبقات اور علم رجال:-

ان موخر الذکر دو حضرات نے یعنی حسن بصری اور محمد بن سیرین نے رجال کے کام کا آغاز کیا۔ اور ایک طرح سے یہ دونوں حضرات علم رجال کے بانی ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ معلومات جمع کیں کہ صحابہ کرام کہاں کہاں تشریف لے گئے۔ اس ضمن میں پہلا کام یہ تھا کہ صحابہ کرام کے بارے میں مکمل معلومات جمع کی جائیں، مشاہیر صحابہ کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے۔ ان کے بارہ میں زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں پڑی۔ لیکن خطبہ حجتہ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس یا چالیس ہزار صحابہ موجود تھے، ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ تھے جو اس موقع پر حج کے لئے تشریف نہیں لائے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو ہر شخص نہیں جانتا تھا۔ پہلا کام تو یہ تھا کہ صحابہ کرام کے حالات کو جمع کیا جائے اور ان کے تذکروں پر مبنی کتابیں تیار کی جائیں تاکہ پتہ چل جائے کہ کون لوگ صحابیؓ تھے اور کون نہیں تھے۔

لہذا سب سے پہلے صحابہ کرام کا تذکرہ کی جمع و تدوین کا کام شروع ہو گیا۔ جب صحابہ کرام مدینہ منورہ سے نکل کر کوفہ، بصرہ، دمشق، مصر اور دیگر مختلف جگہوں میں آباد ہوئے تو اس بات کی بھی ضرورت پیش آئی کہ جو صحابیؓ جہاں جا کر بسے ہیں وہاں جا کر ان کا تذکرہ لکھا جائے۔ چنانچہ ان صحابہ پر الگ الگ کتابیں لکھی گئیں جو کوفہ میں جا کر بسے، جو بصرہ میں جا کر بسے، جو دمشق اور قاہرہ میں جا کر بسے اور (ان صحابہ کے بارے میں ایک کتاب ہماری اردو زبان میں بھی ہے) جو سندھ میں آکر بسے۔ ہندوستان کے ایک بزرگ تھے قاضی اطہر مبارکپوری، انہوں نے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے ان صحابہ کے حالات لکھے جو سندھ میں تشریف لائے، اور سندھ میں آباد ہوئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ اور اس طرح سے ہر شہر اور علاقے کے صحابہ پر الگ الگ کتابیں آ گئیں

cc BY

جس کے بعد یہ ممکن نہیں رہا کہ کوئی شخص غلط طور پر یہ دعویٰ کرے کہ فلاں صحابیؓ نے مجھ سے یہ بیان کیا۔ اسی طرح یہ امکان بھی نہیں رہا ایک صاحب صحابیؓ نہ ہوں اور بعد میں یہ دعویٰ کریں کہ میں صحابیؓ ہوں۔ مثال کے طور پر کوئی شخص سمرقند جائے اور یہ دعوی کرے کہ میں صحابیؓ رسول ﷺ ہوں اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ اگرچہ ایسا نہیں ہوا۔ لیکن چوں کہ امکان موجود تھا اس لئے اس امکان کا سدباب کرنے کے لئے ان تابعین حضرات نے صحابہ کرام کے تذکرے الگ الگ بھی جمع کئے، شہروار بھی جمع کئے، قبیلہ وار بھی جمع کئے اور مختلف جنگوں کے حساب سے بھی جمع کئے کہ کس جنگ میں کون کون سے صحابیؓ شریک ہوئے۔ تاکہ یہ پتہ چلے کہ کون سے صحابیؓ سمرقند تشریف لے گئے تھے اور کون سے صحابیؓ رمینیا تشریف لے گئے تھے، تاکہ وہاں اگر کوئی روایت ان کے نام سے آئے تو تحقیق کی جاسکے کہ وہ وہاں تشریف لے بھی گئے تھے یا نہیں۔

ہندوستان میں ایک شخص تھا غالباً جنوبی ہندوستان میں، بمبئی یا حیدر آباد دکن کا رہنے والا تھا۔ اس کا نام بابا رتن تھا۔ چھٹی صدی ہجری میں تھا اور اس نے طویل عمر پائی تھی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کتنا معمر تھا، لیکن غالباً دو سوا دو سال اس کی عمر تھی۔ اس نے دعوی کیا کہ میری عمر سات سو سال ہے اور میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا۔ چنانچہ معجزہ شق القمر کے بعد جب میں نے دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تو میں عرب پہنچا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آ چکے تھے۔ میں مدینہ پہنچا، وہاں جاکر مسلمان ہوا اور آپ ﷺ کے پاس تین چار مہینے رہا، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے کہا کے اپنے علاقہ میں جاکر تبلیغ کرو تو میں واپس ہندوستان آ گیا۔ بہت سے لوگوں نے اس کی باتیں مان لیں اور اس کا بہت چرچا ہوا۔ لوگ دور دور سے اس کو پاس آنا شروع ہو گئے۔ اس کی خوب پیری مریدی چلی اور بڑی شہرت ہوئی۔ اس پر علماء حدیث کے سامنے سوال پیدا ہوا کہ اس شخص کے دعوی کی کیا حیثیت ہے۔ محدثین نے لکھا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے، ایسا کوئی آدمی صحابی رسول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اس کے نام سے روایات مشہور ہونی شروع ہو گئیں۔ ہمارے برصغیر کے لوگ ویسے بھی بڑے خوش عقیدہ ہوتے ہیں اور مذہب کے نام پر بہت جلد لوگوں کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔ اقبال[۴] نے ایک جگہ کہا ہے

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

کہ ہندوستان کے مسلمان تاویل کے پھندے میں بہت جلدی پھنس جاتے ہیں۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک کمزور پہلو ہے۔ لیکن بابا رتن کے علاوہ ایک دوسرے شخص نے بھی ایسا ہی دعوی کیا لیکن علماء حدیث نے بڑی صراحت اور قطعیت کے ساتھ کہا کہ دونوں جھوٹے ہیں اور ان دونوں کو دجّال اور کذّاب قرار دیا۔ ان کی کوئی بات نہ سنی جائے۔ چناں چہ بہت جلد وہ فتنہ ختم ہو گیا۔

صحابہ کرامؓ کے بعد جیسے جیسے زمانہ بڑھتا گیا علماء حدیث علم رجال پر معلومات جمع کرتے رہے اور بالآخر پانچویں صدی ہجری تک معلومات مکمل طور پر جمع ہو گئیں۔ امام بیہقی آخری محدث ہیں جن کی وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی ہے اور جنہوں نے براہ راست احادیث کی روایت کر کے اپنا مجموعہ مرتب کیا۔ اس کے بعد کے مجموعے ہیں وہ براہ راست شدہ مجموعے نہیں ہیں۔ بلکہ سابقہ مجموعوں کی بنیاد پر مرتب ہونے والے نئے مجموعے ہیں جن کو ثانوی مجموعے کہا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد علم رجال کی اس طرح ضرورت نہیں رہی جیسے روایت حدیث کے ضمن میں پیش آتی تھی۔ لیکن علماء حدیث کے تذکرے ہمیشہ مرتب کئے گئے اس لئے کہ علم حدیث کا درس زبانی بھی ہوا کرتا تھا اور تحریری بھی ہوا کرتا تھا۔ یہ تیقن کرنے کے لئے کہ کس شخص نے کتنے بڑے محدث سے حدیث پڑھی ہے اور صاحب علم کا درجہ اپنے استادوں کے لحاظ سے کیا ہے، یہ جاننے کے لئے محدثین کے تذکرے جمع کئے جاتے تھے۔ اور آج تک جمع کئے جا رہے ہیں۔ پندرھویں صدی ہجری کے اوائل اور چودھویں صدی ہجری کے اواخر تک تمام محدثین کے تذکرے مطبوعہ شکل میں موجود ہیں اور ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علم حدیث کی خدمت کن کن لوگوں نے کی ہے۔ یہ ساری شخصیات جن کے نام جمع ہوئے ان کا مطالعہ مسلمانوں نے بھی کیا اور غیر مسلموں نے بھی کیا۔ انہی غیر مسلموں کا ذکر کرتے ہوئے غازی[۵] لکھتے ہیں۔

> **ایک مشہور مغربی مستشرق ڈاکٹر سپرنگر، جس نے امام دین حجر عسقلانی کی جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، انہوں نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ نامی کتاب کی تدوین کی ہے اور اس پر انگریزی زبان میں ایک مقدمہ لکھا ہے۔ اس مقدمہ میں اس نے یہ لکھا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس باب میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ رجال جیسا فن اس کے ہاں ہو۔ نہ ماضی میں کسی قوم میں ایسا فن ہوا ہے نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے کہ رجال جیسا فن، جیسا کہ مسلمانوں میں ہے، کسی اور قوم میں وجود میں آئے۔**

> **ایک اور انگریز مصنف باس ورتھ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ علم رجال کی مدد سے حضور علیہ والسلام کی زندگی کا ہر گوشہ اور آپ کا ہر ارشاد مبارک اور آپ کا ہر فعل روز روشن کی طرح**

ایسے واضح ہے جیسے کوئی چیز سورج کی روشنی کے سامنے ہوتی ہے اور اس میں کوئی التباس نہیں ہوتا کہ یہ کیا چیز ہے۔ بہر حال یہ وہ چیز ہے جس کا اعتراف غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔

یہ ایسا علم ہے کہ پانچ چھ لاکھ شخصیات کا تذکرہ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ان پانچ چھ لاکھ شخصیات کی بنیاد پر ہم تیقن کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں جو بیان دیا اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے۔ جب رجال پر باقاعدہ کتابیں لکھنے کا کام شروع ہوا تو حسن بصری کے زمانہ میں شروع ہوا لیکن حسن بصری کی لکھی ہوئی کوئی کتاب آج ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ ان کے بعد جن لوگوں نے لکھا وہ کتابیں ہمارے سامنے ہیں اور ان کی بنیاد پر ہم بتاسکتے ہیں کہ اس کا آغاز کب ہوا۔

طبقات پر اہم کتابیں

سب سے پہلے طبقات ابن سعد کے نام سے بارہ تیرہ جلدوں میں ایک کتاب تیار ہوئی، کوئی ایڈیشن بارہ جلدوں میں ہے، کوئی تیرہ میں اور کوئی چودہ جلدوں میں ہے۔ یہ ایک بڑے مشہور محدث اور مورخ تھے۔ انہوں نے طبقات ابن سعد کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اپنے زمانے تک صحابی سمیت جتنے بھی راویان حدیث تھے، ان سب کے حالات جمع کئے۔ تبر کا پہلی دو جلدی سیرت پر ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ جس شخصیت کے راویوں کے حالات بیان کرنے میں پہلے اس شخصیت کا تذکرہ ہونا چاہیے۔ اس لئے پہلی دو جلدوں میں انہوں نے سیرت بیان کی اور بقیہ دس یا بارہ یا چودہ جتنی بھی جلدیں ہیں ان میں انہوں نے صحابہ کرام سے لے کر اپنے زمانہ تک کے تمام راویوں کے حالات بیان کئے۔

واقدی اس درجہ کے انسان تھے لیکن محدثین ان کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی کتاب کتاب المغازی تین جلدوں میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے بارے میں بڑی مستند اور معلومات افزا کتاب ہے۔ محدثین کا طریقہ یہ تھا کہ جس نے جو روایت بیان کی انہوں نے اسی طرح باللفظ بیان کر دی۔ مجھ سے بیان کیا فلاں نے، ان سے فلاں نے، ان سے فلاں نے کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ پھر مجھ سے فلاں نے بیان کیا، فلاں سے فلاں نے کہ اونٹوں کی تعداد ۷۳ تھی۔ حدیث کو بیان یا روایت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً جنگ بدر کے حوالے سے مجھ سے بیان کیا فلاں نے، کہ گھوڑے دو تھے، تلواریں اتنی تھیں۔ مجھ سے بیان کیا فلاں نے، ان سے فلاں نے کہ ہمارے پاس نیزے اتنے تھے۔ اس طرح کی معلومات وہ جمع کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی طریقہ درست ہے۔

اس کے برعکس واقدی نے یہ کیا کہ ان ساری معلومات کو جمع کیا اور عنوان رکھا، غزوہ بدر کے حالات۔ پھر یہ لکھا کہ غزوہ بدر کی یہ معلومات میں نے ان حضرات سے جمع کی ہیں، ان سب کے نام دیئے ہیں اور نام دینے کے بعد اس پورے واقعہ کو ایک مربوط انداز میں بیان کیا۔ الگ الگ یہ نہیں بتایا کہ ان سب مجموعی معلومات میں سے کس سے کتنا حصہ معلوم ہوا ہے۔ محدثین کے ہاں تو یہ بڑا جرم تھا کہ یہ نہ پتہ چلے کہ کس نے کیا بات روایت کی ہے۔ اس لئے محدثین نے واقدی کے اس اسلوب سے شدید اختلاف کیا اور ان کو ساری عمر کے لئے ناقابل قبول قرار دے دیا۔ اس سے صرف یہ اندازہ کرنا مقصود ہے کہ محدثین کا معیار کتنا کڑا تھا کہ انہوں نے ایک ایسے زبردست اور جیّد عالم کو اور ایسے طالب علم کو جس نے پوری زندگی عرب کے ریگستانوں میں گھوم پھر کر گزاری تھی اور سیرت کی ساری معلومات جمع کی تھیں، محض اس لئے ناقابل قبول قرار دے دیا کہ ان کے ہاں احتیاط کا وہ اونچا اور غیر معمولی معیار موجود نہیں جس کی پابندی محدثین کر رہے تھے۔ حالانکہ واقدی کی کتاب غزوات رسول کے سب سے بڑے ماخذوں میں شمار ہوتی ہے لیکن محدثین نے کہا کہ آپ نے یہ بے احتیاطی کی ہے اس لئے ہم آپ کی بات کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔ بہر حال محدثین کے ہاں واقدی کا ذکر ہمیشہ منفی انداز میں آتا ہے۔

طبقات ابن سعد کے بعد جن حضرات نے کتابیں لکھیں ان میں سب سے پہلی کتاب جو آج ہمارے پاس موجود ہے وہ امام بخاری کے استاد بن معین کی ہے۔ یحیٰ بن معین اتنے بڑے محدث تھے کہ اپنے زمانے میں امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے تھے اور امام احمد بن حنبل کے دوستوں میں سے تھے۔ انہوں نے فن رجال پر کتاب لکھی ہے۔ ان کے بعد امام بخاری کے ایک اور استاد علی بن المدینی نے ایک کتاب لکھی۔

جس شخصیت نے علم رجال پر سب سے زیادہ کام کیا وہ خود امام بخاری تھے۔ امام بخاری کی کئی کتابیں ہیں جن میں سے کتاب التاریخ الکبیر اور کتاب التاریخ الصغیر یہ دونوں دستیاب ہیں۔ یہ اس طرح سے تاریخ کی کتابیں نہیں ہیں جس طرح آج تاریخ کی کتابیں ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ کتابیں اسماء الرجال پر ہیں۔ یعنی ان رجال کے حالات پر ہیں جن کا علم حدیث میں ذکر آتا ہے اور یہ کہ کب ان کی پیدائش ہوئی اور کب وفات ہوئی۔ وفات کا تذکرہ اس لئے ضروری ہے کہ یہ تعین کیا جائے کہ ان کی ملاقات اپنے شاگرد سے، جو ان سے منسوب کرکے بیان کرتا ہے ہو سکتی تھی کہ نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک تاریخ وفات کا پتہ نہ ہو اس وقت تک یہ تعین بڑا دشوار ہے۔ پھر امام بخاری کی شرط تو اس سے بھی بہت آگے ہے کہ نہ صرف معاصرت یعنی ہم عصری ہو بلکہ یہ بھی ثابت ہو کہ ان کی ملاقات ہوئی ہے تو اس لئے امام بخاری یہ بھی تحقیق کرتے تھے کہ ان کے کن کن شاگردوں کی ان سے ملاقات ثابت ہے اور ان کی اپنے کن کن اساتذہ سے ملاقات ثابت ہے۔ یہ معلومات امام بخاری نے جمع کی ہیں۔

CC BY

امام بخاری نے ایک اور کتاب بھی لکھی ہے۔ یہ علم رجال کا ایک شعبہ ہے جس پر کم از کم ایک درجن کے قریب کتب آج دستیاب ہیں۔ وہ یہ کہ جب رجال پر معلومات کا یہ عمل شروع ہوا تو یہ بھی پتہ چلا کہ اب ایسے لوگ بھی سامنے آرہے ہیں جو کمزور ہیں یا اس معیار کے نہیں ہیں جس معیار کی لوگوں کی روایت قبول کی جاتی ہے۔ ان راویوں کو ضعفاء یا متروکین کہا جاتا ہے۔ جب ضعفا اور متروکین کی تعداد بڑھ گئی تو محدثین اور علماء رجال نے ان پر الگ کتابیں تیار کیں۔ امام بخاری نے سب سے پہلے ایک کتاب لکھی 'کتاب الضعفا الصغیر' یعنی چھوٹی کتاب جو ضعیف راویوں پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے ضعیف راویوں کی معلومات اور فہرست الگ سے دے دی ہے تاکہ لوگ کتاب کی مدد سے یہ تحقیق کر لیں کہ اگر ان میں سے کوئی راوی آیا ہے تو وہ راوی ضعیف ہے اور اس کی روایت میں تامل کرنا چاہیے۔ جن لوگوں نے اس موضوع پر لکھا ہے ان میں امام مسلم بھی شامل ہیں۔ لیکن بعد کے محدثین میں جن کا کام اس میدان میں سب سے نمایاں ہے وہ امام دار قطنی ہیں۔ امام دار قطنی کی کتاب کئی سنن مشہور ہے۔ ان کی کئی کتابیں علم رجال اور جرح وتعدیل پر ہیں۔

امام دار قطنی کے ایک معاصر اور امام مسلم کے ایک معاصر ابو بکر بزار تھے جن کی مسند بزار مشہور ہے، انہوں نے بھی علم رجال پر ایک کتاب لکھی اور اس کتاب میں ان معلومات کو جمع کیا۔ امام نسائی جو صحاح ستہ میں سے ایک کتاب کے مصنف ہیں، ان کی کتاب ہے 'کتاب الضعفاء المتروکین'۔ یہ کتاب بھی مطبوعہ شکل میں موجود ہے اور ملتی ہے۔ اس میں ان راویوں کے حالات ہیں جو ضعیف ہیں یا جن کی روایت کو ترک کر دیا جاتا ہے اور قبول نہیں کیا جاتا۔

مزید برآں اس فن کے دو اور بڑے امام امام علامہ ابن ابی حاتم اور حافظ ابن عبد البر ہیں۔ ابن عبد البر اسپین کے رہنے والے تھے۔ ان کا تعلق چوتھی یا پانچویں صدی ہجری سے ہے۔ یعنی اسپین، مراکش، اندلس، قیروان اور تیونس کے سب سے بڑے حافظ حدیث۔ ان سے بڑا محدث ان کے زمانے میں اور کوئی نہیں تھا۔ ان سے بڑے متعدد محدثین ان کے بعد پیدا ہوئے۔ لیکن ان کے اپنے زمانے میں ان سے بڑا کوئی محدث نہیں تھا۔ حافظ ابن عبد البر نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان میں موطا کے رجال پر ان کی کتاب بہت مشہور ہے، موطا کی شرح پر بھی ان کی کتاب ہے، التمہید ان کی ایک بڑی کتاب ہے جس میں موطا کے اسانید (سندوں) پر انہوں نے بحث کی ہے۔ موطا امام مالکؒ دراصل اس علاقہ کی بہت مقبول کتاب تھی اور بہت مشہور تھی اس لئے مغرب کے علماء نے موطا امام مالکؒ کی خدمت زیادہ کی ہے۔ ایک تو وہ خود مالکی ہیں اور یہ فقہ مالکی کے بانی کی کتاب ہے۔ اس لئے اس کو بڑا احترام اور تقدس حاصل تھا۔

پانچویں چھٹی صدی ہجری کے بعد رجال کی ساری معلومات جمع ہو گئیں۔ اور پانچویں صدی کے بعد پھر براہ راست روایت حدیث نہیں ہوئی اس لئے کہ جتنے راویان تھے ان سب کی معلومات جمع ہو گئیں۔ اور یوں علم رجال کی تدوین کا ایک اہم مرحلہ تکمیل کو پہنچا۔ اب ان معلومات کو جمع کر کے اور ان کا تقابل کر کے جامع مجموعے تیار کرنے کا عمل شروع ہوا۔ پانچویں صدی ہجری کے بعد کی جو کتابیں رجال پر تیار ہوئیں وہ بڑی جامع کتابیں ہیں اور ان پر ایک نئے انداز سے کام کرنے کا آغاز ہوا۔ ان میں سب سے پہلی کتاب علامہ عبد الغنی مقدسی کی ہے جو بیت المقدس کے رہنے والے تھے۔ یہ کتاب بڑی تاریخ ساز کتاب ہے۔ **الکمال فی اسماء رجال**۔ انہوں نے کوشش کی کہ اسماء رجال پر اب تک جو مواد آیا ہے اس سب کو جمع کر کے ایک بڑی اور مکمل کتاب تیار کر دیں۔ اس لئے انہوں نے اس کا نام 'الکمال فی اسماء الرجال' رکھا۔ اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بعد کے آنے والے محدثین نے اس پر اور کام کیا۔ اس پر جب کام کرنے کا آغاز ہوا تو علامہ یوسف المزی نام کے ایک اور بزرگ تھے جو حافظ مزی کہلاتے ہیں اور حدیث کی کتابوں میں ان کا نام حافظ مزی آتا ہے۔ حافظ مزی نے جب کام شروع کیا تو ان کو پتہ چلا کہ بہت سی معلومات علامہ مقدسی کو نہیں ملیں اور اس پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے اس لئے انہوں نے اس کتاب کی تہذیب کی اس میں اضافے کئے، جن معلومات کو انہوں نے غیر ضروری سمجھا مکرر پایا، ان کو نکال دیا، جہاں کمی تھی اس میں اضافہ کیا اور بارہ جلدوں میں ایک اور کتاب تیار کی جس کا نام تہذیب الکمال فی اسماء الرجال رکھا۔

کمال صرف اللہ کی ذات کے لئے ہے، انسان کمال کا جتنا بھی دعوی کرے وہ ناقص ہی ہے۔ حافظ مزی کے انتقال کے فوراً بعد یعنی پچیس تیس یا چالیس سال بعد ایک اور بزرگ سامنے آئے جو علامہ علاؤ الدین مغلطائی کہلاتے ہیں۔ ان کا تذکرہ بھی کتابوں میں حافظ مغلطائی کے نام سے ملتا ہے۔ انہوں نے جب حافظ مزی کی کتاب کو دیکھا تو ان کو پتہ چلا کہ اس میں تو بہت کچھ کمی ہے۔ انہوں نے اس کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کا تکملہ لکھا۔ یعنی اس کتاب کا ایک ضمیمہ تیار کیا۔ اصل کتاب بارہ جلدوں میں ہے جو تتمہ ہے وہ تیرہ جلدوں میں تیار ہوا۔ اس طرح سے یہ کتاب 'کمال الکمال لتہلیب الکمال فی اسماء الرجال' کے نام سے حافظ مغلطائی نے لکھی۔ اب یہ کتاب اتنی طویل اور ضخیم ہو گئی کہ اس سے استفادہ مشکل ہو گیا۔ اس پر علامہ ذہبی نے جو حافظ مغلطائی کے ہم عصر تھے، اس کی تہذیب تیاری اور تہذیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال۔ یعنی تہذیب الکمال کی تہذیب۔ انہوں نے ایک ایسا نسخہ تیار کیا، وہ بڑا مقبول ہوا اور ہر جگہ ملتا ہے۔ اس کے بعد اس کتاب کو بے شمار لوگوں نے، کم بیش ایک درجن حضرات نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ اس پر مزید تحقیق کی، اس کی شرحیں لکھیں، اس کے حواشی لکھے اور اس کو مزید بہتر بنایا تا آنکہ ان کے تقریباً سو سال کے بعد یہی حافظ ابن حجر ہیں جن کا نام ہر حدیث کے حوالہ میں آتا ہے، ایسے کم لوگ ہیں جن کا ذکر حدیث کی ہر گفتگو میں آئے اور حافظ ابن حجر ان میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے تہذیب التہذیب کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ پھر تہذیب التہذیب کا انہوں نے دو جلدوں میں خلاصہ لکھا 'تقریب التہذیب' یعنی لوگوں کے لئے تہذیب کو قریب بنانا۔

ایک بزرگ تھے علامہ ابن عساکر جو بڑے محدث تھے۔ ابن عساکر کی کتاب تاریخ دمشق فن تاریخ کی چند عجائب روزگار کتابوں میں سے ایک ہے۔ انہوں نے پوری زندگی اس کام میں لگائی کہ دمشق شہر میں کون کون سے محدثین آئے۔ دمشق میں کس کس حدیث کی روایت ہوئی، یہاں کون کون سے صحابہ کرام آئے، یہاں حدیث پر کتنا کام ہوا۔ علم حدیث سے متعلق دمشق میں

CC BY

کتنا کام ہوا۔ علم حدیث کی زبان پر کیا کام ہوا، لغات پر کیا کام ہوا، انہوں نے یہ لکھی تھی تاریخ دمشق کے نام سے۔ دمشق میں ایک بڑی فاضل اور معمر خاتون ہیں، وہاں ایک مجمع اللغہ العربیہ ہے جو ۱۹۲۶ء سے قائم ہے، عرب دنیا کا قدیم ترین علمی ادارہ ہے، وہاں وہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔ اس کی اسی (۸۰) جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں اور ہر جلد خاصی ضخیم ہے۔ ابھی وہ کتاب مکمل نہیں ہو ئی ہے۔ ان خاتون کا کہنا تھا کہ اگر یہی رفتار رہی تو شاید ۱۲۰ جلدوں میں یہ کتاب مرتب ہو جائے گی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ محدثین نے کتنی معلومات جمع کی ہیں۔ یہ ایک کتاب صرف دمشق شہر کے بارے میں ہے۔

اس کے علاوہ فن رجال کی کئی شاخیں ہیں، مثلاً ہم جانتے ہیں کہ عربی زبان میں لوگوں کا نام الگ ہوتا ہے، لقب الگ ہوتا ہے اور کنیت الگ ہوتی ہے، مثلاً امام بخاری کو بخاری کے لقب سے ہم سب جانتے ہیں، لیکن بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ ان کا نام محمد بن اسماعیل تھا۔ اگر آپ کسی کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھیں کہ قال محمد بن اسماعیل تو شاید بہت کم لوگوں کو یہ پتہ چلے کہ اس سے مراد امام بخاری ہیں۔ اسی طرح سے کچھ لوگ اپنی کنیت سے مشہور تھے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ حضرت عبد اللہ بن عثمان نے یہ فرمایا، تو شاید آپ میں سے بہت سے لوگوں کو یہ پتہ نہ چلے کہ میری مراد کیا ہے، عبد اللہ بن عثمان حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نام تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نام عبد اللہ اور ان کے والد ابو قحافہ کا نام عثمان تھا۔ لیکن دونوں اپنی اپنی کنیت سے اتنے مشہور ہوئے کہ اصل نام بہت کم لوگوں کو معلوم ہو سکا۔ اس لئے راویوں میں یہ مسلہ بہت پیدا ہوتا ہے کہ ایک راوی نے ایک جگہ جب حدیث بیان کی تو ایک شاگرد نے اس کو کنیت سے لکھ دیا۔ مثلاً حدثنی البخاری، دوسرے نے لکھ دیا کہ حدثنی محمد، تیسرے نے لکھ دیا حدثنی محمد بن اسماعیل، چوتھے نے لکھ دیا حدثنی ابو عبد اللہ۔ اب یہ سب ایک شخصیت کے حوالے ہیں، لیکن جو شخص نہیں جانتا کہ امام بخاری کی کنیت ابو عبد اللہ تھی، لیکن وہ مشہور تھے بخاری کے لقب سے، نام ان کا محمد تھا، والد کا نام اسماعیل تھا اس لئے محمد بن اسماعیل کہلاتے تھے۔ وہ زبردست التباس اور الجھن کا شکار ہو گا۔ لہذا ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی جس کی مدد سے یہ پتہ چل جائے کہ کس کی کنیت کیا ہے۔ یہ فن 'موضح' کہلایا۔ موضح الرجال یعنی رجال کی وضاحت کرنے والا، جس میں ان لوگوں کا تذکرہ جمع کیا گیا جن کا نام کچھ اور ہو لیکن وہ اپنی کنیت سے مشہور ہوں۔ یا نام سے مشہور ہوں کنیت کچھ اور ہو۔ تو کہیں کنیت اور نام میں فرق کی وجہ سے التباس نہ ہو۔

اسی طرح سے ایک خاص صنف یا میدان ہے، جس کو **الملو تلف والمختلف** کہتے ہیں۔ **الملو تلف و المختلف** پر کم از کم ایک درجن کتابیں موجود ہیں۔ یعنی ملتے جلتے ناموں کی تحقیق۔ بعض نام ملتے جلتے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے التباس پیدا ہو سکتا ہے۔ محدثین اور راویوں بھی میں اشتراک اسم ہو سکتا تھا اور ہوتا تھا۔ اب یہ بات کہ اگر ایک دور میں ایک سے زیادہ محمد بن اسماعیل ہیں تو کون سے محمد بن اسماعیل مراد ہیں۔ خود صحابہ کرام میں عبد اللہ نام کے کم و بیش ایک درجن صحابہ ہیں۔ ان میں سے جو چار مشہور عبد اللہ ہیں وہ 'عبادلہ اربعہ' کہلاتے ہیں۔ ان عبادلہ اربعہ میں راوی بیان کرتا ہے حدثنی عبد اللہ، مجھ سے عبد اللہ نے بیان کیا۔ اب کون سے عبد اللہ نے بیان کیا؟ یہ اس وقت تک پتہ نہیں چل سکتا جب تک ان میں سے ہر عبد اللہ کے شاگردوں کی فہرست آپ کے پاس موجود نہ ہو۔ عبد اللہ بن مسعودؓ سے کسب فیض کرنے والے کون کون ہیں۔ ان کے نمایاں ترین شاگرد مثلاً علقمہ ہیں۔ علقمہ کے شاگردوں میں نخعی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ جو ایک اور مشہور عبد اللہ تھے ان سے ان کے پوتے شعیب بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں۔ شعیب بن عبد اللہ سے ان کے بیٹے عمر بن شعیب روایت کرتے ہیں، اب اگر آپ سے کوئی حدیث بیان کرے کہ مجھ سے ابراہیم نخعی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میرے استاد نے عبد اللہ سے یہ پوچھا کہ فلاں معاملہ کس طرح ہوا۔ اب آپ کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہاں عبد اللہ سے عبد اللہ بن مسعود مراد ہیں، عبد اللہ بن عمرو بن العاص مراد نہیں ہوں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ عمرو بن شعیب نے بیان کیا، وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ سے، تو یہاں آپ کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہاں عبد اللہ سے مراد عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہیں۔ اس طرح حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک اور عبد اللہ ہیں۔ مثلاً کوئی کہے کہ مجاہد نے بیان کیا، مجاہد عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں، تو جاننے والوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ چونکہ مجاہد عبد اللہ عباس کے شاگرد ہیں اس لئے یہاں عبد اللہ سے مراد عبد اللہ بن عباس ہوں گے۔ اس لئے **مؤتلف وا لمختلف** کے نام سے جو فن ہے، یہ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ صحابہ میں یہ التباس زیادہ نہیں ہوتا، لیکن باقی لوگوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تابعین میں کم، تبع تابعین میں اس سے بھی زیادہ اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ۔ جیسے جیسے راویوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اس التباس کے امکانات بڑھتے جائیں گے۔ اس التباس کو دور کرنے کے لئے کچھ حضرات نے پوری زندگی اس کام میں لگائی کہ ایسے راویوں کے حالات جمع کریں جن کے نام اور کنیتیں ملتی جلتی ہیں۔ بعض جگہ ایسا ہے کہ نہ صرف اپنا نام بلکہ والد کا نام اور دادا کے نام ایک جیسے ہیں۔ اب تین ناموں سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ کون مراد ہے۔ پھر یہاں کنیت سے پتہ چلے گا۔ کہیں وطن کی نسبت سے پتہ چلے گا جیسے نیشاپوری، الکوفی، البصری یا استاد سے پتہ چلے گا۔ اس پر قدیم ترین کتاب امام دار قطنی کی ہے جو مشہور محدث ہیں۔ حضرت خطیب بغدادی بغداد کے ہیں۔ ان کی بھی اس موضوع پر کتابیں ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ کچھ کتابیں ایسی ہیں جو الگ الگ کتابوں کے راویوں پر مشتمل ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری میں جتنے راوی ہیں ان پر الگ کتابیں ہیں۔ اسماء رجال صحیح البخاری۔ صحیح بخاری کے جتنے رجال ہیں وہ کون کون ہیں۔ صحیح مسلم کے رجال پر کتابیں ہیں۔ موطا امام مالکؒ کے رجال پر کتابیں ہیں، مسند امام احمد کے رجال پر کتابیں ہیں، امام ابو داؤد کی سنن پر کتابیں ہیں۔ حدیث کی تقریباً تمام کتابوں کے راویوں پر الگ الگ کتابیں موجود ہیں جن میں وہ سارا مواد یکجا مل جاتا ہے۔ اس میں تلاش کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اب اگر رجال کی ساری کتابیں ایک جگہ ہوتیں اور الگ الگ کتابوں کے رجال پر مواد نہ ہوتا تو تلاش کرنا مشکل ہو جاتا۔ اگر ابو داؤد کا راوی آپ کو معلوم ہے تو رجال ابو داؤد میں تلاش کر لیں آسانی سے مل جائے گا۔

CC BY

اس طرح سے کچھ راوی وہ ہوتے ہیں جن کا حافظہ شروع میں اچھا تھا۔ بعد میں عمر زیادہ ہو گئی۔ نوے سال، سو سال ہو گئی اور حافظہ جواب دے گیا۔ اب کس سن سے حافظہ کمزور ہوا؟ کس سن میں تھوڑا کمزور ہوا کس سن میں زیادہ کمزور ہوا۔ جب تک یہ معلومات نہ ہوں تو یہ تعین دشوار ہے کہ یہ روایت کس دور کی ہے۔ اس پر الگ سے کتابیں ہیں۔ امام دار قطنی کی ایک کتاب ہے، کتاب من حدیث ونسی۔ ان لوگوں کے تذکرہ کے بارے میں جنہوں نے پہلے حدیثیں بیان کیں اور بعد میں بھول گئے۔ وہ سارے نام ایک ساتھ معلوم ہو جائیں گے جن کی یاداشت اخیر میں جواب دے گئی تھی۔ اس کتاب میں سنوں کے تعین کے ساتھ بتادیا گیا ہے کہ فلاں سن سے فلاں تک ان کا حافظہ ٹھیک تھا، فلاں سن میں کمزور ہونا شروع ہو گیا اور فلاں سن میں بالکل جواب دے گیا۔ ایک کتاب اعلام النساء پر بھی ہے اس سے مراد وہ خواتین ہیں جو روایت حدیث سے متعلق رہی ہیں اور ان کا سارا تذکرہ پانچ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب میں دستیاب ہے۔ بقیہ تذکروں میں بھی ہے۔ رجال کی ہر کتاب میں مرد راویوں کے ساتھ خواتین راویوں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

CC BY

حوالہ جات

۱۔ اشرف محمد خاں، عظمت رباب، ۲۰۱۱، اصطلاحات تدوینِ متن، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۲۰۲

۲۔ ظفر، عبدالروف، ۲۰۰۹، علوم الحدیث فنی، فکری اور تاریخی جائزہ، کتاب سرائے، لاہور، ص ۱۰۸

۳۔ غازی، محمود احمد، ۲۰۱۲، محاضرات حدیث، الفیصل ناشران، لاہور، ص ۱۸۸

۴۔ محمد اقبال، ۲۰۲۱، کلیاتِ اقبال اردو، ضرب کلیم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۸۵۷

۵۔ غازی، محمود احمد، ۲۰۱۲، محاضرات حدیث، الفیصل ناشران، لاہور، ص ۱۹۸